مختصر کہانی: افسانوی ادب میں نئی جہت

منیر عباس سپرا
ایم فل (اردو)
انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان

SHORTER STORY: A NEW GENRE
OF URDU FICTION

Munir Abbas Sipra
MPhill (Urdu)
Institute of Southern Punjab, Multan

Abstract

The trend of shorter story under different names such as flash fiction, micro fiction etc has become very popular in world literature. Though Urdu has already traces of shorter story f fiction in fables, dastaan yet in modern form it is directly impressed by the English shorter story. In terms of form, it is much shorter than short story. It started in Urdu with Sadat Hasan Manto's Siah Hashye in 1948. He was followed by Joginder Pal Singh. There is a long list of writers who contributed in this field like Dr Muzaffar Hanfi, DH Shah, Ratan Singh, Dr Azeem Rahi, Abbas Khan, Mansha Yaad, Pervez Bilgrami, Anwar Rahim, Dr Akhlaq Gilani, Deepak Badki, Qaiser Nazir Khawar, Mubashir Ali Zaidi, Syed Majid Shah etc. Now short story of about a hundred word is also getting popular in Urdu.

Keywords:

مختصر کہانی، مائیکرو فکشن، افسانچہ، فلیش فکشن، پس منظر عالمی زبان وادب، سعادت حسن منٹو

کہانی انسان کے جذبے اور سوچ کے ساتھ ہی وجود میں آئی اس لیے یہ تعجب نہیں کہ اس کی ابتدا اس وقت ہوئی ہو جب انسان نے گھٹنوں کے بل چلنا سیکھا ہوگا۔ جب انسان نے پہلی بار اپنا جذبہ اپنی کار گزاری یا اپنا کارنامہ کسی دوسرے انسان کو سنایا تو اسی وقت کہانی کا وجود پیدا ہو گیا۔ اگر غور کیا جائے تو انسان کے جبلی تقاضوں میں بھوک اور آفات سے خود کو محفوظ رکھنا دو ایسے تقاضے ہیں جس کے لیے انسان کو سب سے پہلے عمل پیرا ہونا پڑا۔ تلاش رزق اور آفات کے مقابلے کے تجربات کا بیان بھی انسانی جبلت ہے جس کا اظہار حیات اجتمائی کے ابتدائی دور سے ہی ملتا ہے اور یہی دراصل کہانی کی بنیاد ہے۔ یوں کہانی کا تعلق بھی انسانی جبلت سے ہے اور جبلی طور پر انسان کہانیوں میں دل چسپی لیتا ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کہتے ہیں کہ ’’قصہ سے لطف اندوز ہونا ہماری فطرت میں شامل ہے انسان ہمیشہ سے قصہ میں دل چسپی لیتا آیا ہے اور ہمیشہ لیتا رہے گا۔‘‘(۱)

کہانی اور انسان کے اس عظیم رشتے کی وضاحت پروفیسر وقار عظیم (۱۹۷۶۔۱۹۱۰ء) نے یوں کی ہے:

> ’’کہانی سے انسان کی دل چسپی اور اس مشغلہ سے اس کا لگاؤ اس کی اجتماعی زندگی کی ایسی حقیقت ہے جسے تاریخ کی سنجیدگی اور اس کی فکر کی منطق نے بھی پورے وثوق کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ انسان اپنی حیات اجتماعی کے بالکل ابتدائی دور کی کش مکش میں سختی کی جن منزلوں سے گزر کر فتح و ظفر کا روئے تاباں دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی تھی، اس کی روداد میں اس کے لیے قند مکرر کی چاشنی تھی کام و دہن کو اسی چاشنی سے آشنا کرنے کی خواہش نے اسے آپ بیتی دہرانے کا عادی بنایا یہی کہانی کہنے یا داستان سرائی کا آغاز ہے۔‘‘(۲)

اس طرح داستان سرائی کی ابتدا تو کئی صدیاں پہلے ہوئی تھی لیکن اُردو میں بہت بعد میں اس کی بنیاد پڑی۔ اردو افسانوی ادب کی تاریخ پر غور کریں تو یہ تقریباً چار سو سال پرانی ہے جس کا آغاز داستان گوئی سے ہی ہوا۔ داستان احاطہ کتاب میں لائی گئی پھر ناول، ناولٹ، افسانہ سے ہوتا ہوا افسانوی ادب کا یہ ارتقائی سفر مختصر کہانیوں (فلیش فکشن، افسانچہ، مائکرو فکشن وغیرہ) کی طرف گام زن ہے۔ ’’اردو کہانی نے داستانوں سے ہوتے ہوئے آج کے ناول اور مختصر افسانہ سے لے کر اُردو افسانچہ تک ایک جان دار اور بھرپور سفر طے کیا ہے۔‘‘(۳)

جہاں تک افسانوی ادب کی نئی جہت مختصر کہانی (مائکروفکشن، افسانچہ، فلیش فکشن) کے پس منظر کا تعلق ہے اس بارے میں محققین و ناقدین کے ہاں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ چناں چہ قاسم یعقوب لکھتے ہیں:

> ''ایسپ کہانیاں کسے یاد نہیں، وہ ایسپ کہانی جس میں ایک باپ اور بیٹا ایک گدھے پر سواری کرتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ کم زور گدھا ہے اور دونوں اوپر چڑھے ہوئے ہیں۔ بالآخر وہ کسی طرح بھی لوگوں کو مطمئن نہیں کر پاتے۔ پھر پیاسا کوا، لالچی کتا وغیرہ کیسی خوب صورت کہانیاں ہیں جو زندگی کی تشریح کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، جواب دنیا بھر کے ادب و سماج کا حصہ بن گئی ہیں۔ کچھ اور پیچھے جائیں تو الف لیلا کی کہانیاں بھی مختصر کہانیوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ حکایات کے ضمن میں گلستان سعدی کو بہت شہرت ملی ہے۔ حکایات کا مرکزی نکتہ تو سبق آموز بات ہوتی ہے مگر کہانی پن میں اچھی اچھی کہانیاں کو مات دیتی نظر آتی ہیں۔''(۴)

مندرجہ بالا اقتباس کے مطابق تو اُردو کی مختصر کہانیوں کے پس منظر میں ایسپ کی کہانیاں، الف لیلا کی کہانیاں، اور عربی فارسی کی حکایات کا پہلے سے موجود ہونا ہے۔ ''ایسوپ قدیم یونان کا ایک مشہور قصہ گو تھا۔ اس کا زمانہ ۶۲۰ تا ۵۶۹ قبل از مسیح مانا جاتا ہے۔ اس کی لکھی کہانیاں ہم تک Aesop's Fables کی شکل میں پہنچی ہیں۔''(۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مختصر کہانی بہت قدیم سے عالمی ادب میں مروج چلی آرہی ہے۔ قیصر نذیر خاور اُردو کی مختصر کہانیوں (افسانچہ، فلیش فکشن وغیرہ) کے تناظر میں کہتے ہیں کہ: ''عالمی ادب پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو افسانچہ تقریباً ہر زباں میں لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے۔ اس حوالے سے جو اہم ادیب سامنے آتے ہیں، ان میں روسی انتون چیخوف Anton Chekhov (۱۸۶۰۔۱۹۰۴ء)، امریکی ہنری، پولش بولیسواس پروس، جرمن فرانز کافکا Franz Kafka (۱۸۸۳۔۱۹۲۴ء)، امریکی ایچ پی لووکرافٹ H. P. Lovecraft (۱۸۹۰۔۱۹۳۷ء)، ارنسٹ ہیمنگوے Ernest Hemingway (۱۸۹۹۔۱۹۶۱ء)، جاپانی یاسوناری کاواباتا Yasunari Kawabata (۱۸۹۹۔۱۹۷۲ء)، ہسپانوی میں لکھنے والے ارجنٹائن کے جولیو کورتازار Julio Cortázar (۱۹۱۴۔۱۹۸۴ء)، برطانوی آرتھر سی کلارک Arthur C. Clarke (۱۹۱۷۔۲۰۰۸ء)، امریکی رے بریڈبری Ray Bradbury (۱۹۲۰۔۲۰۱۲ء)، کرٹ وونیگٹ،

فریڈرک براؤن Fredric Brown (۱۹۰۶۔۱۹۷۲ء)، جان کیج، فلپ کے ڈِک Philip K. Dick (۱۹۲۸۔۱۹۸۲ء)،رابرٹ شیکلے Robert Sheckley (۱۹۲۸۔۲۰۰۵ء)،روبرٹ اولن بٹلر(۱۹۴۵ء)، لڈیا ڈیوس، برطانوی ڈیوڈ جیفنے اور رابرٹ سکوٹیلرو Robert Scotellaro شامل ہیں۔مشرقی زبانوں کی طرف آئیں تو فارسی میں شیخ سعدی(۱۲۱۰۔۱۲۹۱) کی گلستان کو کسی طور پر فلیش فکشن سے باہر نہیں کیا جاسکتا۔ عربی میں لبنانی نژاد امریکی خلیل جبران Khalil Gibran (۱۸۸۳۔۱۹۳۱ء)، مصری نجیب محفوظ Naguib Mahfouz (۱۹۱۱۔۲۰۰۶ء)، تامرزکریا Zakaria Tamer (۱۹۳۱ء)اور لیلیٰ العثمان Laila al-Othman (۱۹۴۳ء)اہم ہیں۔"(۶)

واضح ہوا کہ دنیا کے ہر ادب میں مختصر کہانی کی جڑیں کہیں نہ کہیں جا کر ملتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ان کا تعلق کسی ایک خطے یا ایک زبان یا ایک تہذیب سے نہیں بل کہ ان مختصر کہانیوں کے پس منظر کی نشانیاں مختلف تہذیبوں اور مختلف زبانوں سے ملتی نظر آتی ہیں۔اسی بات کی وضاحت قیصر نذیر خاور یوں کرتے ہیں کہ "افسانچوں کا پچھوکڑ کسی ایک جگہ سے تعلق نہیں رکھتا۔یہ اگر ایک طرف یونان سے جڑتا ہے تو دوسری طرف ہند سندھ میں سنسکرت سے بھی وابستہ ہے۔اس کی جڑیں پالی ادب میں بھی ہیں۔ جاپانی ادب ہو یا چینی، وہ بھی اختصار نویسی سے خالی نہیں، بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ دنیا کے ہر ادب میں اس کی جڑیں کہیں نہ کہیں جا ملتی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔"(۷)

کچھ محققین کا خیال ہے کہ اُردو میں مختصر کہانیاں صرف انگریزی مختصر کہانی سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔اس بارے میں ستیہ پال آنند کا کہنا ہے:

> مائیکروفکشن، یعنی مختصر ترین افسانہ اردو میں انگریزی سے براہ راست اقرار باللسان کی طرح قبول کی گئی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی اشد ضرورت تھی۔ "افسانچہ" یا "پوپ افسانہ" اس کے لیے موزوں عنوان نہیں تھا۔(۸)

ارشد خالد مختصر کہانی کے پس منظر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "سن ۶۲۰ قبل از مسیح کے یونانی کہانی کار ایسوپ Aesop کے ہاں افسانچہ طرز کی منی کہانیاں ملتی ہیں جو دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ شدہ موجود ہیں۔آج کے عہد کے لحاظ سے شیخ سعدی کی حکایات بھی افسانچے ہی تھیں۔شیخ سعدی کے بعد عربی اور انگریزی میں خلیل جبران اور اُردو میں منٹو نے "سیاہ حاشیے" میں افسانچے کو رواج دیا۔"(۹)

مندرجہ بالا اقتباسات کے تناظر میں دیکھا جائے تو مختصر کہانی کے پس منظر کے متعلق بہت سارے نظریات ملتے ہیں جن پر بحث مباحثہ کی صورت ہمیشہ باقی رہے گی جب کہ تبدیلی خواہ وہ ادبی دنیا میں ہو سیاسی، سماجی سطح پر یہ ایک دم رونما نہیں ہوتی۔اس کی جڑیں گزرے ہوئے زمانے میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔اس طرح اردو میں مختصر کہانی کا وجود کچھ تو قدیم تہذیبوں سے بھی تعلق رکھتا ہے اور مغربی ادب میں پیش ہونے والے نت نئے تجربات سے بھی وابستہ ہے۔اُردو کی مختصر کہانی (مائیکرو فکشن، افسانچہ، فلیش فکشن) کے خمیر میں یہ دونوں اجزا شامل ہیں۔ مختصر کہانی کے پس منظر کے مباحث کے بعد اب اگر مختصر کہانی کے ناموں کا تضاد اور ادب کے ارتقا کا جائزہ لیں تو یہ صورت واضح ہوتی ہے کہ وقت کے تغیر اور ادب میں ارتقا سے کہانیوں کا جو سلسلہ داستان ناول، ناولٹ اور افسانے تک پہنچا تھا وہ مختصر سے مختصر ترین کی جانب گام زن ہوا۔ادب میں ارتقا کی صورت میں ادب کے تینوں شعبوں (تنقید، تحقیق اور تخلیق) میں کئی جہات اور کئی دریافتیں سامنے آئیں۔ تخلیقی ادب کے شعبے میں افسانوی ادب میں ایک نئی جہت مختصر کہانی بھی روشناس ہو کر ادبی دنیا میں مروج ہوئی ہے۔

افسانوی ادب کی اس نئی جہت مختصر کہانی کو مشرق و مغرب کے ادب میں متعدد مختلف ناموں سے لکھا اور پڑھا جا رہا ہے مثلاً افسانچہ، مائیکرو فکشن، فلیش فکشن، مختصر ترین افسانہ، شارٹ سٹوری، منی کہانی، پوپ سٹوری، مختصر مختصر کہانی، سڈن فکشن، منی افسانہ، ٹوئیٹر لٹ فکشن، پوپ کہانی، نینو فکشن، مختصر کہانی، سو لفظی کہانی (Drabble) ڈریبل، پوسٹ گارڈ وغیرہ مختصر کہانی کے لیے یہ مختلف نام دنیائے ادب میں مروج ہیں۔

مختصر کہانی کے ناموں کا تضاد کچھ ناقدین، شارحین اور مصنفین کے نزدیک بناوٹ اور تکنیک کی بنیاد پر ہے اور کچھ اس کی ہیئت و ضخامت کی بنیاد پر تفریق کرتے دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ وقت کے ساتھ ادب میں بھی ارتقاپذیری کا عمل ہوتا ہے۔ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ادب میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ دنیائے ادب میں وقت کے ساتھ اصناف کی شکل میں نت نئے تجربات ہوتے رہے ہیں۔اصناف میں یہ اضافہ کبھی جدت کے نام پر اور کبھی ہیئت میں تجربے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جہاں تک اُردو افسانوی ادب میں ہیئت اور جدت کی بنیاد پر نئے تجربات کا تعلق ہے اس بارے میں ڈاکٹر عبدالغنی (۱۹۳۶ء) کی رائے یوں ہے:

تجربے کا مطلب جدت ہے جو روایت کے مقابلے میں اختیار کی جاتی ہے۔ چناں چہ ہیئتی تجربے کا مفہوم اظہار کی متعین شکل میں نئے گوشے نکالنا ہے۔ اجتہاد اور تجرید کا یہ عمل بالکل فطری، تاریخی اور ضروری ہے۔(۱۰)

اسی ضمن میں ڈاکٹر فوزیہ اسلم لکھتی ہیں کہ ''یہی وجہ ہے کہ ہیئت اور اسلوب میں نئے تجربے نہ کیے جائیں، نئی اصناف کی جستجو نہ کی جائے، اظہار بیان کے نئے سانچے اور فکر و نظر کے نئے زاویے تلاش نہ کیے جائیں تو ادبی ترقی رک جاتی ہے اور فن جامد ہو کر رہ جاتا ہے۔ چناں چہ نئے تجربات کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔''(۱۱)

ڈاکٹر عبادت بریلوی (۱۹۲۰۔۱۹۹۸ء) ناولٹ پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ موجودہ عہد میں سماجی، عمرانی، جمالیاتی اقدار کے لیے آنے والے رجحانات کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے وہ ہیئت کو جامد نہیں سمجھتے بل کہ ان کا ماننا ہے کہ ''ہیئت کا مسئلہ جمالیات کا مسئلہ ہے۔ جمالیات حسن کا فلسفہ ہے وہ ہر زمانے میں میں حالات اور واقعات کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے۔ جیسے جیسے زندگی میں تغیر آتا ہے، معیار اقدار بدلتے رہتے ہیں۔ افراد کے مزاج اور طبائع میں تبدیلیاں ہوتی ہیں ویسے ویسے حسن کے تصورات بھی بدلتے رہتے ہیں۔''(۱۲)

درج بالا آرا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ افسانوی ادب میں تغیر و تبدل ادب کے ارتقا کے لیے ناگزیر ہے۔ افسانوی ادب میں ہیئتی تبدیلی کی وجہ سے ''مختصر کہانی'' کا وجود عمل میں آیا اور اس کی ہیئت کے لحاظ سے نام بھی مختلف سامنے آتے گئے۔ ہر مختصر کہانی نویس نے اپنی مرضی کا نام رکھ کر ''مختصر کہانی'' تخلیق کی۔ اس بارے میں فکشن نویس، شاعرہ اور مترجم ''طلعت زہرا'' نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ''بیسویں صدی میں ماڈرن ازم نے شارٹ سٹوری/ویری شارٹ سٹوری کو جنم دیا۔ اُردو ادب میں اسے مختصر کہانی/ مختصر مختصر کہانی/افسانچے بھی کہا جانے لگا۔ نام کچھ بھی دیں لیکن یہ تمام فکشن جو افسانے سے مختصر ہو کر وجود میں آیا اس کی ترجیح یہی ہے کہ قلیل عرصے میں پڑھ کر وہی ذائقہ حاصل کرنا جو ناول یا افسانے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ لذت ہر قاری کی اپنی اپنی ہے کوئی ناول کا قاری ہے تو کوئی افسانے یا مختصر افسانے کا آج کی نئی ٹوئیٹر جنریشن کے لیے ٹوئیٹر لٹ بھی مائیکرو فکشن کی ایک ذیلی شاخ ہے۔''(۱۳)

طلعت زہرا مختصر کہانی کی مختلف اقسام کو لفظوں کی تعداد کے لحاظ سے ان کی ہیئت کی تفریق کرتے ہوئے مزید کہتی ہیں کہ ''ناول، ناولہ، ناولٹ اور پھر افسانہ کی باری آتی ہے۔ اسی طرح افسانہ، فلیش فکشن مائیکرو فکشن اور پھر نینو فکشن اور ٹوئٹرلٹ فکشن کی باری آتی ہے۔ افسانہ عموماً ساڑھے تین ہزار سے ساڑھے سات ہزار الفاظ تک ہوتا ہے۔ فلیش فکشن پانچ سو سے ہزار بارہ سو تک ہوتا ہے۔ مائیکرو فکشن پانچ سو سے کم الفاظ اور ٹوئیٹرلٹ کو ایک سو چالیس حروف تک جاتا ہے۔''(۱۴)

قاسم یعقوب مختصر کہانی کے مختلف ناموں اور ہیئت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''فلیش فکشن یا مختصر افسانہ نگاری اُردو دنیا میں نیا افسانوی مزاج متعارف کروا رہی ہے۔ مختصر افسانہ انگریزی میں کئی ایک ناموں سے جانا جاتا ہے جیسے Sudden Fiction, Microfiction, Short Story, Micro Story, Postcord Fiction وغیرہ وغیرہ عمومی طور پر شارٹ یا فلیش فکشن اس کہانی کو کہتے ہیں جو ایک ہزار لفظوں تک مشتمل ہو اور کم سے کم بیس لفظوں تک ہو آج کل بیس لفظوں سے کم بھی کہانی لکھی جا رہی ہے۔''(۱۵)

مختصر کہانی کے مختلف ناموں کی بحث تا حال پورے عالمی ادب میں جاری ہے۔ اُردو افسانوی ادب میں مختصر کہانی کے لیے زیادہ تر تین (مائیکرو فکشن، افسانچہ، فلیش فکشن) نام مروج ہیں۔ مختصر کہانی کی بڑھتی ہوئی دل چسپی کی اہم وجہ اس کا زندگی سے بہ راہ راست تعلق ہے کیوں کہ اس تیز رفتار زندگی میں فراغت کی کمی کی وجہ سے ہی اختصار نویسی کی اہمیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ناموں کے تضاد اور اختصار کے بارے میں ڈاکٹر مجید بیدار اپنا موقف کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ''دور حاضر میں انسان کے لمحوں کی بے فرصتی اور مصروفیات کے بوجھل لمحات سے ایک ایسی نثری صنف بھی عالم وجود میں آ چکی ہے جس کو کسی ایک نام سے پکارنے کے معاملے میں خود تخلیق کار تذبذب کے شکار ہیں۔ چناں چہ کبھی اس کو افسانچہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو کبھی منی افسانہ بعض تخلیق کار تو اسے مختصر افسانہ کی سرشت میں شمار کرتے ہیں۔''(۱۶)

ستیہ پال آنند (۱۹۳۱ء) عصر حاضر میں اختصار نویسی کی اہمیت و ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے وسط تک طویل ناول اور افسانے تحریر کیے جاتے تھے، جوں جوں فرصت کے لمحے کم پڑتے گئے اور ایک ہی نشست میں (یعنی بس یا میٹرو پر سفر کرتے

ہوئے۔۔۔وغیرہ) مطالعہ میں کسی افسانے کو آخری پنچ لائن تک پڑھ لینا ایک امر محال بنتا گیا۔ ضرورت محسوس کی گئی کہ طوالت میں مختصر ترین تحریر میں بھی وہ جامع خوبیاں برقرار رکھتے ہوئے جن پر طویل افسانوں کا تکیہ تھا، اسے اس طرح پیش کیا جائے کہ نہ تو قاری آخر میں تشنگی محسوس کرے اور نہ ہی اس کے وقت کا ضیاع ہو۔''(۱۷)

مختصر کہانی کی سب سے اہم خوبی بھی یہی ہے کہ اس میں اختصار کی پابندی ہوتی ہے۔ کم سے کم الفاظ میں اپنی فکر، جذبات، خیالات کا اظہار کرنا کہانی کا لازمی جز ہے۔ محض چند الفاظ میں فکشن نگار موثر انداز میں اپنی بات کر جاتا ہے اور قاری کا ذہن ان چند جملوں کے تاثر سے ایک مکمل کہانی تیار کر لیتا ہے۔ لیکن اختصار اور تاثر کے ساتھ ساتھ مختصر کہانی کا تیسرا اہم عنصر کہانی پن (افسانویت) کا ہونا ہے۔ مختصر کہانی کے یہ تین اساسی فنی تقاضے ہیں جن کی بنیاد پر مختصر کہانی (مائیکرو فکشن، افسانچہ، فلیش فکشن وغیرہ) معرض وجود میں آتی ہے۔

کہانی اور اس میں کہانی پن اور طوالت کے حوالے سے جوگندر پال کا کہنا ہے کہ ''کہانی اگر اپنے اصل تناسب سے باہر نہ ہو تو ایک سطری ہو کر بھی پوری ہوتی ہے ورنہ اپنی تمام طوالت کے باوجود ادھوری کی ادھوری۔''(۱۸)

ڈاکٹر سلیم اختر (۱۹۳۰۔۲۰۱۸ء) مختلف اصناف کی کہانیوں میں افسانویت (کہانی پن)، تاثر اور افسانوی ادب میں تغیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''داستان، ناول، ناولٹ، طویل مختصر افسانہ اور مختصر مختصر افسانہ، بہ ظاہر یہ کہانی کہنے کے فن کے مختلف طریقے نظر آتے ہیں لیکن ژرف نگاہی سے دیکھنے پر سب کے پس پردہ ایک ہی جذبہ محرک نظر آتا ہے۔ کہانی کیسے موثر ہو؟''(۱۹)

دوسری مختلف اصناف کی کہانیوں کی طرح مختصر کہانی (مائیکرو فکشن، افسانچہ، فلیش فکشن وغیرہ) میں بھی بنیادی عناصر میں کہانی پن اور وحدتِ تاثر شامل ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ مختصر کہانیوں میں اختصار کا ہونا ایک بنیادی اور اہم ترین عنصر ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے ہر کہانی کو کہانی نہیں کہا جا سکتا۔ ادبی لحاظ سے دیکھا جائے تو اصل کہانی وہی ہوتی ہے جس میں تمام فنی تقاضے (ہیئت، وحدت تاثر، کہانی پن) پورے کیے جائیں، چاہے وہ طویل ہو یا مختصر، وہی افسانوی ادب کے زمرے میں آتی ہے۔ ہم روزمرہ میں کئی واقعات اور کہانیاں سنتے رہتے ہیں لیکن جب تک ان کو فکشنائز نہ کیا جائے اس وقت تک وہ ادبی کہانی کا روپ نہیں دھار سکتی۔ رتن سنگھ کہانیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کہانی کو صرف کہانی ہونا چاہیے وہ Piece of Art ہو بس خواہ وہ طویل ہو یا
مختصر دو سطر کی ہو یا سو سطروں پر مشتمل۔''(۲۰)

غضنفر علی مختصر کہانی میں کہانی پن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''یہ ایک نئی صنف ہے۔ ابھی اس کے خدوخال ابھر کر سامنے نہیں آئے ہیں۔ یہ ایک طرف نثری نظموں سے ملتی ہے تو دوسری طرف حکایتوں سے اور تیسری طرف لطیفوں سے، ایک بات اس میں ضروری ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کہانی پن یا افسانویت اگر کہانی میں نہیں تو یہ منی افسانہ یا افسانچہ نہیں ہو سکتا۔''(۲۱)

ممتاز افسانہ نویس منشایاد افسانے اور مختصر کہانی (افسانچہ) میں مماثلت و مغائرت کی وضاحت اپنی کتاب کے پیش لفظ میں اس طرح کرتے ہیں کہ جس سے مختصر کہانی کو ہیئت کی شناخت واضح ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''ان افسانچوں کا اسلوب ذائقہ اور تاثیر تقریباً افسانے ہی کی ہے لیکن چھوٹی نسل کے انسانوں کی طرح ان میں اتنا ہی قد نکالنے کا پوٹینشل (Potential) تھا۔ لیکن ایک پہلو سے یہ اپنے اصل تھیم یا خیال کے زیادہ قریب اور ملاوٹ سے پاک بھی ہیں اور ان کا قد بڑا کرنے کے لیے کوئی مصنوعی طریقہ استعمال نہیں کیا گیا۔''(۲۲)

یہ امر اہم ہے کہ مختصر کہانی (افسانچہ، فلیش فکشن، مائیکرو فکشن وغیرہ) کی کوئی ایک جامع تعریف موجود نہیں جو افسانوی ادب کی اس جہت کی تمام خصوصیات کا احاطہ کر سکے۔ البتہ درج بالا تمام نکات کی خصوصیات کو اگر سمیٹ کر دو سطروں میں بیان کرنا مقصود ہو تو مختصر کہانی کی مرتب شدہ تعریف کچھ اس طرح ہو گی۔ ایسی کہانی جو کم سے کم لفظوں میں ایسے بیان کی جائے کہ زندگی کے کسی چھوٹے سے لمحے یا مختصر حصے کی جھلکی دکھا کر ایک مکمل کہانی یا کئی کہانیاں قاری کے ذہن میں شروع کر دی جائیں۔

اُردو میں سب سے پہلے مختصر کہانی کب اور کس نے لکھی؟ اس بارے میں زیادہ تر محققین متفق نظر آتے ہیں کہ اُردو میں مختصر کہانی کا آغاز افسانے سے تقریباً نصف صدی بعد اکتوبر ۱۹۴۸ء میں سعادت حسن منٹو نے **سیاہ حاشیے** لکھ کر کیا۔ منٹو کی اس کتاب کا مقدمہ محمد حسن عسکری (۱۹۱۹۔۱۹۷۸ء) نے لکھا اور اس کتاب میں کل بتیس مختصر کہانیاں شامل ہیں۔ اسی بارے میں مختصر کہانیوں کی کتاب **حرفوں کے ناسور** مصنف ڈی ایچ شاہ کے پیش لفظ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں۔

"مختصر ترین افسانوں کا رواج اب عام ہو گیا ہے لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس کی کام یاب بنیاد اردو کے نام ور افسانہ نگار سعادت حسن منٹو نے ڈالی تھی۔ ان کا ایک پورا مجموعہ حد درجہ مختصر کہانیوں پر مشتمل ہے۔"(۲۳)

سعادت حسن منٹو کی اولیت کو تسلیم کرتے ہوئے سید محمد عقیل رضوی لکھتے ہیں کہ "بیسویں صدی میں نئی چھوٹی کہانیاں، مجموعی طور پر سب سے پہلے منٹو نے شروع کیں جو جدید زندگی خصوصاً تقسیم ہند کے فسادات سے متعلق تھیں۔۔۔ایک مجموعہ چھوٹی کہانیوں کا **سیاہ حاشیے** کے نام سے پیش کیا۔"(۲۴)

اُردو میں مختصر کہانی کے آغاز کے بعد اگر ارتقا پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ منٹو (۱۹۱۲۔۱۹۵۵ء) کے 'سیاہ حاشیے'(۱۹۴۸ء) کے بعد اردو میں جوگندر پال(۱۹۲۵۔۲۰۱۶ء) کے مجموعے 'میں کیوں سوچوں'(۱۹۶۲ء سے افسانے اور افسانچے) میں منی افسانے ملتے ہیں۔ اس میں ان کے بائیس منی افسانے افسانچوں کے نام سے چھپے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے لگاتار منی افسانے لکھے اور اس صنف میں ان کے چار مجموعے منظر عام پر آئے۔ جن میں پہلا مجموعہ 'میں کیوں سوچوں' (۱۹۶۲ء)، دوسرا مجموعہ 'سلوٹیں'(۱۹۷۵ء)، تیسرا مجموعہ 'کتھانگر'(۱۹۸۶ء)، چوتھا مجموعہ 'پرندے'(۲۰۰۰ء) ہے۔"(۲۵)

منٹو کے معاصرین میں کرشن چندر (۱۹۱۴۔۱۹۷۷ء) اور راجندر سنگھ بیدی (۱۹۱۵۔۱۹۸۴ء) نے بھی افسانے کے ساتھ ساتھ مختصر کہانیاں لکھنے کا تجربہ کیا تھا لیکن وہ **سیاہ حاشیے** جتنی شہرت و مقبولیت حاصل نہیں کر پائے۔ غضنفر اقبال کے مطابق "کرشن چندر نے بھی افسانچے تخلیق کیے ہیں لیکن ان کا بنیادی رجحان ہیت کے بجائے سماجی مقصد کی طرف تھا۔۔۔راجندر سنگھ بیدی کے پاس بھی منی افسانے ملتے ہیں لیکن یہ بہت کم تعداد میں ہیں۔ جو رسالہ 'گفتگو' ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئے تھے۔"(۲۶)

مختصر کہانیاں لکھنے کی اس روش میں ڈاکٹر مظفر حنفی(۱۹۳۶۔۲۰۲۰ء)، ڈی۔ ایچ شاہ، ڈاکٹر عظیم راہی(۱۹۵۸ء)، شیخ رحمن آکولوی، عارف خورشید، طالب زیدی(۱۹۴۴ء)، اقبال بلگرامی، محمد بشیر مالیر کوٹلوی، رتن سنگھ، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی(۱۹۴۸۔۲۰۲۱ء)، ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، ساحر کلیم، اظہر فاضل وغیرہ کے ایک یا ایک سے زیادہ بھی مختصر کہانیوں کے مجموعے بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں(۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۰ء) میں منظر عام پر آئے ہیں۔

اِن کے علاوہ کچھ ایسے مصنفین بھی ہیں جن کی انھی دو دہائیوں (۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۰ء) میں افسانے کے ساتھ مختصر کہانیاں شامل کر کے مشترکہ افسانوی مجموعے کے طور کتب شائع ہوئیں ہیں ان میں ڈاکٹر خالد سہیل، محمد اظہر مسعود خان، محمد قیوم میو، ہرچرن چاولہ (۱۹۲۶۔۲۰۰۱ء)، وریندر پٹواری (۱۹۴۰ء)، احمد عثمان، م۔ ناگ، نذیر یوسفی، علیم صبا نویدی (۱۹۴۲ء)، ڈاکٹر خان حفیظ، قاضی مشتاق احمد، متین قادری، ڈاکٹر نریش (۱۹۴۲ء)، گلشن کھنہ (۱۹۳۴۔۲۰۱۹ء)، شمیم حیدر، رضیہ فصیح (۱۹۳۴ء) اور رونق جمال (۱۹۵۴ء) وغیرہ نے مشترکہ افسانوی مجموعے شائع کر کے "مختصر کہانی" (افسانچہ، فلیش فکشن، منی افسانہ، مائکرو فکشن، وغیرہ) کی روایت کو استحکام بخشا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ مختصر کہانی نویسوں میں قابلِ ذکر نام 'رحیم انور' کا آتا ہے۔ وہ ۱۹۸۰ء کی دہائی سے لے کر عصرِ حاضر تک مسلسل تین دہائیوں سے مختصر کہانی لکھتے چلے آ رہے ہیں اور اب تک سب سے زیادہ انھی کی مختصر کہانیوں کی دس کتب منظرِ عام ہو چکی ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔ **یادوں کے سائے** (۱۹۸۶ء)، ۲۔ **آواز کا درد** (۱۹۸۹ء)، ۳۔ **اس موڑ سے** (۱۹۹۴ء)، ۴۔ **ہم کہاں کہاں گزر** (۱۹۹۹ء)، ۵۔ **بوند بوند سمندر** (۲۰۰۱ء)، ۶۔ **احساس کا سفر** (۲۰۱۳ء)، ۷۔ **سلگتے لمحات**، ۸۔ **میرے افسانچے، ماہیر اُردو ادب**، ۹۔ **کا پاریڈی حال اور ماضی کے آئینہ میں**، ۱۰۔ **زخم زخم زندگی** شامل ہیں۔ عباس خان بھی رحیم انور کی طرح تین دہائیوں سے افسانوی ادب لکھ رہے ہیں جن کے تین ناول، چھ افسانوں کے اور چار مختصر کہانیوں کے بھی مجموعے مشتہر ہو چکے ہیں۔ پہلا مختصر کہانیوں کا مجموعہ **ریزہ ریزہ کائنات** (۱۹۹۲ء)، دوسرا **پل پل** (۱۹۹۶ء تیسرا **ستاروں کی بستیاں** (۲۰۰۹ء)، اور چوتھا مختصر کہانی کا مجموعہ **خواہشوں کی خانقاہ** (۲۰۱۵ء) میں شائع ہوا ہے۔

عصرِ حاضر (۲۰۰۰ء سے ۲۰۲۰ء) کا جائزہ لیں تو کچھ ایسے تخلیق کار بھی ملتے ہیں جنھوں نے اپنی مختصر کہانیاں، افسانے کے ساتھ ملا کر مشترکہ مجموعے کے طور پر ان کی کتب منظرِ عام پر آئیں ہیں۔ ان میں اختر آزاد **بابل کا مینا**، سکندر عرفان **چیختی خاموشی**، اقبال حسن آزاد **مردم گزیدہ**، منیر ارمان نسیمی **آ بیل مجھے مار**، نوشانہ خاتون **نقاد خانہ**، محمد جاوید انور کے دو مجموعے **برگد** اور **سرکتے راستے**، شمسہ انجم **جاچ**، کائنات بشیر **آئینوں کا شہر**، سبین علی **گل مصلوب**، منیر عباس فردوس **سناٹوں کا شہر**، ضامن علی

حسرت **ریت کی دیوار**، محمد جمیل اختر **ٹوٹی ہوئی سڑک**، سلمیٰ جیلانی **بے رنگ پیوند**، جاوید اختر چوہدری **آگ**، سہیل جامعی **دہلیز**، علیم صبانویدی **سفر لاسفر**، شہناز فاطمہ **کرچیاں**، اور منشایاد کے دو مجموعے پہلا مجموعہ **خواب سرائے** اور دوسرا مجموعہ **ایک کنکر ٹھہرے پانی میں** وغیرہ شامل ہیں۔

منشایاد اپنی کتاب کے ابتدائیے میں مختصر کہانیوں اور ان کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''مٹھی بھر جگنو کے افسانچوں کی صورت میں آپ کو ایک نئی چیز نظر آئے گی، نئی یہ میرے ہاں ہے ورنہ منٹو، جوگندر پال، رضیہ فصیح اور بعض دوسرے افسانہ نگاروں کے ہاں اس کی پختہ روایت پہلے سے موجود ہے۔''(۲۷)

ان کے علاوہ کچھ ایسے مصنفین بھی ہیں جنھوں نے ارادی طور پر تو شاید مختصر کہانیاں نہیں لکھیں لیکن البتہ ان کے ہاں افسانوں کے مجموعوں میں کچھ ایسے مختصر ترین افسانے بھی موجود ہیں جن کو از روئے قاعدہ مختصر کہانی کے زمرے میں گردانا جاسکتا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے پہلے افسانوی مجموعے **خاک کی مہک** اور دوسرے مجموعے **فرشتہ نہیں آیا** میں چند ایسے مختصر ترین افسانے شامل ہیں مثلاً ''ستر سال اور غار'' اور ''شر پسند اور تیر کا دریا'' وغیرہ وہ مختصر ترین افسانے ہیں جو لگ بھگ ایک، ایک ہزار لفظوں تک مشتمل ہیں۔ان کے ساتھ عثمان عالم کا افسانوی مجموعہ **پوسٹ مارٹم**، ابن مسافر (جواد حسنین) کا **سفر ناتمام**، محمد علیم اسماعیل کا **الجھن**، مامون طاہر رانا کا **ابھی اور عذاب سہنے ہیں**، رمضان رضی کا **دھوپ میں اُگے دن**، خاقان ساجد کا **آدم زاد**، مریم تسلیم کیانی کا **اسیر خواب**، سلیم خان کا **لہو لہو منظر**، منیر احمد فردوس کا **کینوس پر چھینٹے**، محمد جمیل اختر کا **ہندسوں میں بٹی زندگی** وغیرہ وہ افسانوی مجموعے ہیں جن میں مختصر کہانیاں (مختصر ترین افسانے) بھی شامل ہیں۔اب اکیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں (۲۰۰۰ء سے ۲۰۲۰ء) کے ان مصنفین کی تخلیقات کا جائزہ پیش ہے جو مکمل طور پر مختصر کہانی کے مجموعے ہیں جن میں محض مختصر کہانیاں ہی شامل ہیں۔ان میں ڈاکٹر اخلاق گیلانی کے دو مجموعے **روشنیاں** اور **سچائیاں**، نذیر فتح پوری کا **ریزہ ریزہ دل**، خالد عبادی کا **نقطہ نو گریز**، محمد ارشد صدیقی کا **گردش رواں**، مظہر سلیم کا **فسانے کے بعد**، جیلانی بانو کا **کن**، اقبال انصاری کے تین مجموعے **ابھی**، **اکبر آباد** اور **چپ چاپ**، فیروز خان کا **تیر نیم کش**، شکیل سعید **ایک ادھوری نظم**، قاضی مشتاق کا **قطرہ قطرہ**، مقصود الٰہی شیخ کا **پوپ کہانی**، ڈاکٹر رضیہ اسماعیل کا **کہانی بول پڑتی ہے**، ابن عاصی کا **نامعلوم افراد کی معلوم کہانی**، مبشر علی زیدی کے مختصر کہانیوں (ڈربیل) کے چار مجموعے: ۱- **نمک پارے**، ۲- **شکر پارے**، ۳- **۱۰۰ لفظوں کی کہانی**، ۴- **مبشر علی زیدی اور سو لفظوں کی کہانی**، دیپک بدکی کا **مٹھی بھر ریت**، قیصر نذیر خاور کی تحقیق

و تخلیقی کتاب **عالمی ادب اور افسانچہ**، عقیل عباس کا مائکرو فکشن کا مجموعہ **دلہن**، سید ماجد شاہ کا ''**ر**''، سات خواتین مصنفین کا مشترکہ طور پر مختصر کہانیوں کا مجموعہ **زمزمہ ادراک**، ڈاکٹر نخشت مسعود کا **برگشتہ ہوا** ایم۔اے حق کا **ڈنگ**، منظور وقار کا **کانٹوں کا جھنڈ**، احمد مرزا کا **یادِ ماضی**، ڈاکٹر وحید انجم **تماشائی**، ڈاکٹر محسن مگھیانہ کا **اپائے**۔

کچھ ایسے مصنفین بھی ہیں جن کی مختصر کہانیاں پاک و ہند کے مختلف اخبارات، میگزین، رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔وہ بھی مختصر کہانی کے ارتقا، مقبولیت اور مروج کرنے میں اپنا بھرپور حصہ ڈال رہے ہیں۔ان کے نام لیے بغیر مختصر کہانی کی یہ داستان ادھوری رہے گی۔ان میں سے کچھ نام یہ ہیں: پروفیسر قاسم یعقوب، ڈاکٹر سعادت سعید، ڈاکٹر سجاد نعیم، سیمیں خان درانی، سید تحسین گیلانی، سیمیں کرن، نعیم بیگ، ایف۔جے فیضی، محمد مظہر پنوار، ثمینہ سید، بشریٰ شیریں، اقبال مُٹ، امجد جاوید، صبا کاظمی، اقبال خورشید، احمد اعجاز، عامر صدیقی، ڈاکٹر کوثر جمال، فیصل قریشی، طلعت زہرا، عقیل شیرازی، سیدہ آیت گیلانی، فارس مغل، شاہد جمیل احمد، علی زیرک، باسط آزر، قاسم کیانی، عادل فراز، سلمیٰ صنم، شین زاد، ڈاکٹر عمران دانش، قاری ساجد نعیم، اصغر شمیم، ارشد محمود ہادی، شفقت محمود، ملیحہ سید، آئزیک عمر، ہما فلک، فوزیہ قریشی، گلزار ملک، عقیل عباس، جہانگیر سرگانہ، عاکف محمود، سید حسین تاج رضوی، قدسیہ ندیم لالی، عمار نعیمی، شاہدہ دلاور شاہ، محمد شعیب مرزا، ثمرین افتخار اور ہالہ ظفر وغیرہ شامل ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) محمد احسن فاروقی، ناول کیا ہے؟، (لکھنو: دانش محل امین الدولہ، ۲۰۱۴ء)، ۱۷۔

(۲) وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ۵۔

(۳) ارشد خالد، مدیر رسالہ، مشمولہ ''عکاس انٹرنیشنل''، افسانچے کا سفر، اسلام آباد، مکتبہ عکاس پبلی کیشنز، کتاب نمبر ۱۸، جولائی ۲۰۱۳ء ص ۲۵۔

(۴) قاسم یعقوب، مضمون، ''فلیش کہانی: آج کی کہانی'' آن لائن ادبی ویب سائٹ، ''ایک روزن Aik Rozan'' 14 فروری، ۲۰۱۷ء۔

(۵) قیصر نذیر خاور، حکایات عالم، (لاہور: مکتبہ علم ودانش، جنوری ۲۰۱۸ء)، ص ۴۷۔

(۶) قیصر نذیر خاور، عالمی ادب اور افسانچہ، (لاہور: مکتبہ علم ودانش، جون ۲۰۱۸ء)، ۲۴، ۲۵۔

(۷) ایضاً،۱۵

(۸) ستیہ پال آنند، ''مائکروفکشن ایک نوٹ''، مشمولہ ندائے گل،(لاہور: ، نومبر ۲۰۱۶ پکار جہاں)،۴۔

(9) ارشد خالد، مدیر رسالہ عکاس انٹرنیشنل، مضمون، ''افسانچے کا سفر''، اسلام آباد مکتبہ پبلی کیشنز، کتابی نمبر ۱۸، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۲۵۔

(۱۰) عبدالمغنی،معیار و اقدار، (پٹنہ: حکمت پبلی کیشنز،۱۹۸۱ء)، ۳۴۴۔

(۱۱) فوزیہ اسلم، اُردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پی ایچ ڈی مقالہ (اسلام آباد: نمل، اکتوبر ۲۰۰۵ء)، ۲۰۔

(۱۲) عبادت بریلوی، ''ناولٹ کی تکنیک''، مشمولہ نقوش، شمارہ نمبر ۱۹، ۲۰ (کراچی: اپریل ۱۹۵۲ء)، ۳۶۔

(۱۳) طلعت زہرا، ''کینیڈا سے مکالمہ'' مشمولہ جریدہ، انہماک انٹرنیشنل، (بورے والا: مارچ ۲۰۱۸ء)، ۶۳۸۔

(۱۴) ایضاً، ۶۳۹۔

(۱۵) قاسم یعقوب، پروفیسر، ''فلیش کہانی: آج کی کہانی'' آن لائن ادبی ویب سائٹ، ایک روزن، "Aik Rozan" ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء۔

(۱۶) مجید بیدار، ''افسانچہ کا فن'' مشمولہ رسالہ کتاب نما، (دہلی: مکتبہ جامعہ، فروری ۱۹۸۸ء)، ص ۴۵۔

(۱۷) ستیہ پال آنند ''مائکروفکشن ایک نوٹ''، مشمولہ رسالہ ندائے گل، شمارہ نمبر ۴، (لاہور: پکار جہاں، نومبر ۲۰۱۶ء)، ۴۔

(۱۸) جوگندر پال، بے اصطاح، (دہلی: ایجوکیشنل پبلی کیشنز ہاؤس، ۱۹۹۸ء)، ۸۳

(۱۹) سلیم اختر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، (لاہور: اظہار سنز، ۲۰۱۰ء)، ۷

(۲۰) اسلم جمشید پوری، ڈاکٹر، مضمون، ''اردو میں افسانچہ کی روایت'' آن لائن ویب سائٹ ''تعمیر نیوز ۰۴، اکتوبر ۲۰۱۶ء

(۲۱) آمنہ آفرین، اردو میں منی افسانہ، (حیدر آباد: معراج پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۹ء)، ۲۱۔

(۲۲) منشا یاد، خواب سرائے، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ۸۔

(۲۳) ڈی ایچ شاہ، حرفوں کے ناسور، پیش لفظ، (کراچی: ۱۹۸۰ء)، ۹۔

(۲۴) طاہرہ پروین، (مرتبہ)، افسانے کی نئی تنقید، (الہ آباد: تہذیب نو پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۶ء) ۱۰۹، ۱۰۸۔

(۲۵) آمنہ آفرین ''اردو میں منی افسانہ'' محولہ بالا، ص ۳۱

(۲۶) ایضاً، ۳۰

(۲۷) منشا یاد، پیش لفظ، خواب سرائے، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ۷، ۸

❖❖❖